DOI: https://doi.org/10.52541/fn.v60i4.1034

نفسِ مسئلہ میں متضاد فتاویٰ کی صورت میں عام آدمی کا طرزِ عمل

عبدالحمید ۞
محمد انور ۞

The Attitude of a Layman to Contradictory *Fatāwā* on an Issue

Abdul Hameed ۞
Muhammad Anwar ۞

ABSTRACT: The dissenting opinion is an integral part of human nature. The status of Islamic sources may be understood differently by some scholars which leads to opine differently. Keeping in view the evidence given by the scholars, a dispute may be resolved. The importance of this issue increases if such an issue has any relevance to the shar'īah. In a society where followers of multiple sects are living, the issue becomes more important if the scholars of different sects issue different fātwā on the same issue. The social media has become the hub of such fatāwā. In such a situation, the black sheep find the ground to malign the religion and laymen get confused about the religion. In such conditions, what should a layman do to compline with the sharī'ah rulings? There are various opinions about this situation. This study concludes based on an analytical study that a layman in such a condition should practice his educational capabilities to find out the verdict given by various scholars which is closer to the sharī'ah and then act upon it.
Keywords: Fatwā, dissenting opinion, muftī, disputed situation, Islamic law

Summary of the Article

Daily life matters always differ as humans differ from each other. History tells us that since the advent of Islam, people have been having different opinions on various issues. At the war of Uḥud, the holy Prophet (peace be on him) asked

۞ لیکچرر شعبہ فتوی سٹڈیز / انچارج شعبہ فاصلاتی نظام تعلیم، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔
۞ اسسٹنٹ پروفیسر، شریعہ فیکلٹی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔
۞ Lecturer, Shariah Academy, International Islamic University, Islamabad. (a.hameed@iiu.edu.pk)
۞ Assistant Professor, Faculty of Shaiah & Law, international Islamic University, Islamabad. (drm.anwar@iiu.edu.pk)

people where the war was to be fought. The response was not unanimous as some wished to fight the war staying in the city while others preferred to fight it on the battlefield out of the city. However, if people follow authentic evidence, seek the truth, and have good intentions, instead of following different sects in society, an agreement may be reached. After the era of the holy Prophet (peace be on him), the companions followed the same methodology. It was natural to have differences in the later ages because the holy Prophet (peace be on him) was supported by the revelation from Allah Almighty. However, in the later ages, people inferred sharīʿah rules from the available source, following the methods they were trained by the Prophet (peace be on him).

With the emergence of different sects in the Islamic world, differences in opinion increased in society. There were as many opinions as sects. Though knowledgeable persons may act upon the opinions they think strongly based on evidence, what should a layman do in such a situation? This study seeks to answer this question. Laymen cannot infer sharīʿah rulings from the divine texts. However, they are also the addressees of revelation because the holy text is addressed to the entire humankind without drawing a line between knowledgeable and laymen. The classical jurists had different opinions about what laymen were supposed to do in such a situation. Some say that laymen should act upon the easiest opinion. However, the question is who will decide which opinion is the easiest. Some say that laymen should follow the most difficult opinion. Some others opine that the laymen should follow the middle way. Some believe that laymen should follow the more pious jurist according to their knowledge. Some are of the view that laymen should follow the opinion of the majority. Even others say that laymen should follow the opinion of the jurist whom they asked first.

The article engages with all these opinions found in classical Islamic law and assesses their arguments. It finally prefers the opinion of Ibn Qayyam al-Jawziyyah who says that in the case of contradictory *fatāwā*, laymen should act upon the opinion which is supported by evidence and is closer to the Qur'ān and the *sunnah*. They should make as much effort to discern the preferred opinion as they do in the case of materialistic and worldly affairs.

ایک ہی مسئلے کے بارے میں آرا کا مختلف ہو جانا انسانی طبیعت اور فطرت کا تقاضا ہے۔ یہ طے ہے کہ متفق علیہ کام، مختلف فیہ کاموں سے زیادہ ہیں؛ البتہ شرعی مسائل میں دلیل کی طلب، صدقِ نیت، حق کی تلاش اور مخالف کی رائے کا احترام کرنے جیسی اخلاقیات اگر پائی جائیں تو پھر متعدد مذاہب اور متضاد آرا کی موجودگی

میں بھی اختلافی مسائل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کی طرف توفیق مل ہی جاتی ہے۔ ایک ہی مسئلے کے بارے میں نقطہ ہائے نظر کا مختلف ہونا خود نبی کریم ﷺ کے زمانے ہی سے چلا آرہا ہے جیسا کہ یہ بات کہ جنگ احد میدان میں لڑی جائے یا گھروں میں رہ کر لڑی جائے۔ اسی طرح صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین بنو قریظہ کی طرف جانے کے بارے میں آرا کا اختلاف وغیرہ، لیکن نبی کریم ﷺ کی موجودگی کی وجہ سے تمام اختلافی مسائل اتفاقی حیثیت اختیار کر لیتے تھے، البتہ جیسے ہی زمانۂ وحی اختتام پذیر ہوا تو بعد میں مجتہدین کی نصوص سے استنباط کرنے کی صلاحیت کے مختلف ہونے، نصوص کے استحضار میں مختلف ہونے کی وجہ سے مسائل میں اجتہاد کی وجہ سے نہ ختم ہونے والا اختلاف پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ موجودہ دور میں ہم دیکھیں تو کئی امور ایسے مختلف فیہ نظر آتے ہیں، جیسے تجارتی انشورنس(Commercial Insurance) کا جواز اور عدم جواز، خواتین کے زیورات کی زکاۃ ادا کرنے اور نہ ادا کرنے میں اختلاف، اسی طرح زکاۃ میں قیمت ادا کی جائے یا نہیں، ایک مجلس کی تین طلاقوں کے وقوع اور عدم وقوع کی مختلف آرا کا پایا جانا وغیرہ۔ عصر حاضر میں ذرائع ابلاغ انٹرنیٹ، ٹی وی چینل، فیس بک اور ٹویٹر نے اختلاف کرنے کے کام کو جرأت دینے کے ساتھ ساتھ پلک جھپکنے میں پوری دنیا میں اس اختلاف کو نشر کرنے کا کام مزید آسان کر دیا ہے کہ لوگ ایک ہی وقت میں ایک چینل پر ایک مسئلے کے بارے میں ایک رائے جان رہے ہوتے ہیں اور ساتھ ہی اسی مسئلے کے بارے میں اس سے مختلف رائے کا بھی علم ہوتا رہتا ہے۔ اس کا ایک نقصان تو یہ ہوتا ہے کہ اسلام کے مخالفین کو اسلام کے بارے میں پروپیگنڈہ کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور دوسری طرف وہ مسلمان جو اسلام کے بارے میں واقفیت کم رکھتے ہیں وہ دین کے بارے میں متردد ہو جاتے ہیں اور نتیجتاً ان میں سے بعض فتاویٰ کو چھوڑ کر اپنی خواہشات پر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں اور بعض اپنی مصلحت کے موافق فتاویٰ پر عمل شروع کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں کہ جب ایک ہی سوسائٹی میں کثیر الجہتی مذاہب کے پیروکار رہتے ہوں اور ان کے نقطہ ہائے نظر اکثر و بیش تر مسائل میں اس قدر مختلف ہوں کہ عمومِ بلویٰ کی صورت پیدا ہو جائے تو عوام الناس کے لیے ایسی صورت میں منہجِ سلیم کیا ہو سکتا ہے کہ جس کے مطابق طرزِ عمل اپنا کر ان کو پیش آنے والے مسائل میں واقع تردد ختم ہو سکے۔[1] اس تحقیقی مقالے میں اسی موضوع کے حوالے سے گفت گو کی گئی ہے۔

۱۔ مقالہ نگاران کے علم کے مطابق اس موضوع پر کوئی جامع مقالہ موجود نہیں جس میں عامی آدمی کے بارے میں ان تمام اقوال کو جمع کیا گیا ہو جن میں اسے متضاد فتاویٰ کی صورت میں کیا کرنے کے بارے میں معلومات دی گئی ہوں؛ البتہ قدیم اور معاصر فقہا جب بھی تقلید کے موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو ضمناً عامی آدمی کے بارے میں تقلید مذہب کی بحث کو لایا جاتا ہے کہ اتباعِ رخص

یہاں پہلے یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ عامی آدمی سے کون مراد ہے؟

عامی سے مراد

لغت میں عامی سے مراد وہ آدمی ہے جو عالم نہیں ہے، اور ہر وہ آدمی جو کسی ایک علم کو جانتا ہو تو اسے دوسرے علوم کے بارے میں ناواقف / عامی ہی کہا جائے گا۔[۲] عامی آدمی کسے کہتے ہیں؟ اس بارے میں فقہا اور اصولیوں کے مابین قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ اختصار کے ساتھ یوں کہا جا سکتا ہے کہ جو آدمی شرعی علوم سے واقف نہ ہو اسے عامی آدمی کہا جاتا ہے جیسا کہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ[۳] فرماتے ہیں: "فَإِذا كَانَ الرجل إِمَامًا فِي هَذِه الْعُلُوم وَلم يعلم بِأَيّ شَيْء جَاءَت بِهِ الرُّسُل وَلَا تحلى بعلوم الْإِسْلَام فَهُوَ كالعامي بِالنِّسْبَةِ إِلَى علومهم بل أبعد مِنْهُ"[۴] (جو آدمی کسی علم کو اچھی طرح جانتا ہو، لیکن شرعی علم کو نہ جانتا ہو وہ عامی ہی ہے۔ یعنی جو آدمی شرعی علوم سے واقف نہ ہو وہ عامی کہلاتا ہے۔)

عوام الناس کا اہل علم کی طرف رجوع کرنا

یہ فطری بات ہے کہ کسی چیز کا علم نہ ہو تو اس چیز میں مہارت رکھنے والوں کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، لہٰذا عوام الناس کو کوئی بھی مسئلہ پیش آئے اور وہ اس کا شرعی حکم نہ جانتے ہوں تو ان پر شرعی علوم سے واقف لوگوں کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ اس بارے میں خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ[۵] رقم طراز ہیں: "أول ما يلزم

وہوی سے بچا جائے اور ایک مذہب کی تقلید کی جائے۔ اس پر عربی اور اردو میں کتابیں موجود ہیں، البتہ ایک ہی مسئلے کے بارے میں متضاد فتاوی کی صورت میں عامی آدمی کس فتوے پر عمل کرے، اس مقالے میں اسی بات کو موضوع بنایا گیا ہے۔

۲۔ ابن ابی الفتح حنبلی، **المطلع علی أبواب المقنع**، تحقیق: محمد بشیر ادبی (بیروت: المكتب الإسلامي، ۱۹۸۱ء)، ۴۱۳۔

۳۔ ابن قیم، محمد بن ابو بکر ابو عبد اللہ ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۵۱ھ میں فوت ہوئے، حنبلی مذہب کے فقیہ اور مجتہد ہیں، ان کی کتابوں میں **إعلام الموقعين**، **زاد المعاد** شامل ہیں۔ دیکھیے: ابن رجب، **ذيل طبقات الحنابلة** (ریاض: مكتبة العبيكان، ۲۰۰۵ء)، ۵: ۱۷۰-۱۷۵۔

۴۔ ابن القیم، **مفتاح دار السعادة** (بیروت: دار الكتب العلميه)، ۲: ۲۱۱۔

۵۔ ابو بکر احمد بن علی ۳۹۲ ہجری میں بغداد میں غزیہ گاؤں میں پیدا ہوئے اور والد گرامی کے شوق کی بنا پر علوم دینیہ کے حصول کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا، خطیب بغدادی کے نام سے معروف ہیں، ان کی تصانیف میں **الفقيه والمتفقه** وغیرہ شامل ہیں اور ۴۶۳ھ میں فوت ہوئے۔ الزرکلی، **الأعلام** (بیروت: دار العلم للملايين، ۲۰۰۲ء)، ۱: ۱۷۲۔

المستفتي إذا نزلت به نازلة أن يطلب المفتي ليسأله عن حكم نازلته فإن لم يكن في محلته وجب عليه أن يمضي إلى الموضع الذي يجده فيه فإن لم يكن ببلده لزمه الرحيل إليه."[۶] (کسی بھی آدمی کو کوئی مسئلہ پیش آئے تو اس پر سب سے پہلے اپنے شہر کے علما سے اس کا شرعی حل تلاش کرنا چاہیے اور اگر اس کے شہر میں کوئی عالم موجود نہ ہو تو اسے چاہیے کہ سفر کر کے ایسی جگہ جائے جہاں اسے اس مسئلے کا شرعی حل بتانے والا عالم ہو۔)

اور ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ[۷] حنفی اصولی بھی اس بارے میں کہتے ہیں: "إذا ابتلي العامي الذي ليس من أهل الاجتهاد بنازلة، فعليه مساءلة أهل العلم عنه"[۸] (جب کوئی عامی آدمی کسی مسئلے میں مبتلا ہو جائے جس کا وہ شرعی حکم نہ جانتا ہو تو اس پر اہل علم سے اس کا شرعی حکم پوچھنا لازم ہے۔)

اہل علم سے شرعی احکام پوچھنے کے دلائل

پہلی دلیل: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[۹] (پس تم اہل علم سے پوچھو، اگر تم نہیں جانتے ہو)۔

امام ابو بکر جصاص رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس آیت میں عوام الناس کو اہل علم سے پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے اور خیر القرون میں بھی لوگوں کا طرز عمل یہی رہا ہے کہ جب بھی لوگوں کو کوئی مسئلہ پیش آتا تو وہ اہل علم کی طرف رجوع کرتے تھے۔[۱۰]

دوسری دلیل: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ﴾[۱۱] (اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی

۶۔ خطیب البغدادی، **الفقیه والمتفقه** (سعودیہ: دار ابن الجوزی، ۱۴۲۱ھ)، ۲: ۳۷۵۔

۷۔ احمد بن علی رازی حنفی مکتبہ فکر کے اصولی اور مفسر کے طور پر معروف ہیں۔ ۳۰۵ھ میں رے شہر میں پیدا ہوئے، بغداد میں حنفی مذہب کے مرجع مانے جاتے ہیں، ۳۷۰ھ فوت ہوئے۔ الزرکلی، مرجع سابق، ۱: ۱۷۱۔

۸۔ ابو بکر الجصاص، **الفصول في الأصول** (کویت: وزارة الأوقاف، ۱۴۱۴ھ)، ۴: ۲۸۱۔

۹۔ القرآن، ۱۶: ۴۳۔

۱۰۔ الجصاص، مصدرِ سابق، ۴: ۲۸۱۔

۱۱۔ القرآن، ۴: ۸۳۔

خبر امن یا خوف سے متعلق تو وہ اسے لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں، اور اگر وہ اس خبر کو رسول اللہ ﷺ کی طرف یا اولوالامر کی طرف لوٹاتے تو وہ لوگ اس کو اچھی طرح جان لیتے جو ان میں سے استنباط کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں)۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کی سرزنش کی ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ اور اولوالامر کی طرف رجوع کرنا چھوڑ دیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اگر ان سے پوچھا جاتا تو یہ بات زیادہ قرین صواب تھی اورآیت میں یہ بھی اشارہ موجود ہے کہ اولوالامر دو طرح کے ہوتے ہیں؛ استنباط کرنے والے اور نہ کرنے والے۔[۱۲] اور شرعی احکام کا استنباط کرنا یہ علما اور فقہا کی شان ہے،اس سے بھی معلوم ہوا کہ اہل علم کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ عوام الناس کو کوئی بھی مسئلہ پیش آئے تو اس کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے انھیں چاہیے کہ اہل علم سے پوچھیں، خواہ وہ تقلید کی بنا پر فتویٰ دیں یا اجتہاد کی بنا پر؛ کیوں کہ شرعی علوم کے بارے میں بغیر علم اور دلیل کے بات کرنا جائز نہیں ہے چہ جائے کہ ایسی بات پر عمل کیا جائے۔

دوسری بحث: عامی آدمی کے اجتہاد کی حیثیت

یہاں دو اصطلاحات اجتہاد اور تقلید کا سمجھنا ضروری ہے:

اصولیوں کے ہاں "بذل الطاقة من الفقيه في تحصيل حكم شرعي ظني"[۱۳] (فقیہ آدمی کا کسی ظنی دلیل سے شرعی حکم کو معلوم کرنے کے لیے اپنی تمام تر وسعت کو استعمال کرنا) اجتہاد کہلاتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جن چیزوں کی حیثیت دین میں فرض اور واجب یا جن کے بارے میں سنتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ دینی امور ہیں ان میں اجتہاد نہیں ہوتا، مثلاً نمازوں کے واجب ہونے اور پانچ ہونے میں اجتہاد نہیں ہو سکتا؛ کیوں کہ یہ قطعی امور ہیں اور ان کے دلائل بھی قطعی ہیں جن میں اجتہاد نہیں ہو سکتا۔[۱۴] اور "العمل بقول الغير

۱۲۔ ابوالمظفر منصور بن محمد السمعانی، **تفسیر القرآن**، تحقیق: یاسر بن ابراہیم، غنیم بن عباس (سعودیہ: دار الوطن، ۱۹۹۷ء)، ۱: ۴۵۳۔

۱۳۔ دیکھیے: ابن امیر الحاج، **التقرير والتحبير في علم الأصول** (بیروت: دار الفکر، سال نشر، ۱۹۹۶م) ۶/ ۱۴۱ ؛ عبدالعلی انصاری، **فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت** (بیروت: دارا لکتب العلمیة، ۲۰۰۲ء)، ۲: ۳۳۸۔

۱۴۔ انصاری، نفس مرجع، ۲: ۴۰۴-۴۰۵۔

من غير حجة ملزمة."[۱۵](کسی آدمی کی بات کو بغیر دلیل کے قبول کر لینا تقلید کہلاتا ہے۔)

فقہا کے مابین اس بات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا عامی آدمی پر مجتہد کی تقلید کرنا جائز ہے کہ نہیں ؟ اس میں تین مذہب ہیں جن کی مختصر تفصیل یہ ہے:

پہلا مذہب: عامی آدمی پر مجتہد کی تقلید کرنا واجب ہے

متقدمین جمہور فقہا کے ہاں عامی آدمی پر فقہا کی تقلید کرنا واجب ہے؛ کیوں کہ تواتر سے یہی معلوم ہوا ہے کہ صحابہ بھی عوام الناس کو پیش آمدہ مسائل میں فتاویٰ دیتے تھے، لیکن انھیں اجتہاد کا ملکہ حاصل کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے۔ اور اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ عامی آدمی شرعی احکام پر عمل کرنے کا مکلف ہے اسے اجتہاد کا رتبہ حاصل کرنے کا کہنا اسے شرعی احکام پر عمل کرنے سے محرومی کا سبب بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی علما سے سوال کرنے کا حکم دیا ہے، فرمان الٰہی ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[۱۶] (اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے مگر آدمیوں کو نبی بنا کر، ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے، چناں چہ تم اہل ذکر سے سوال کیا کرو اگر تمھیں کسی چیز کا علم نہ ہو۔)[۱۷]

اور امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: "ولم تختلف العلماء أن العامة عليها تقليد علمائها وإنهم المرادون بقول الله عز جل فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون."[۱۸](علما کا اس بارے کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عوام الناس پر علما سے پوچھنا لازم ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان (تم اہل ذکر سے سوال کرو)

۱۵- دیکھیے: امام الحرمین، عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی، **البرهان في أصول الفقه**، تحقیق: عبد العظیم دیب (دار الوفاء، ۱۴۱۸ھ)، ۲: ۱۳۵۷؛ علی بن محمد الآمدی، **الإحكام في أصول الأحكام**، تحقیق: سید الجمیلی (بیروت: دار الكتاب العربي، ۱۴۰۴ھ)، ۴: ۱۹۲؛ ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد، **روضة الناظر وجنة المناظر**، تحقیق: عبد العزیز عبد الرحمن السعید، (ریاض؛ جامعة الإمام محمد بن سعود، ۱۳۹۹ھ)، ۲: ۴۵۰۔

۱۶- القرآن، ۱۵: ۴۳۔

۱۷- صفی الدین ہندی، **نهاية الوصول في دراية الأصول**، تحقیق: یوسف وسوئح (مکہ مکرمہ: مكتبة تجارية، ۱۴۱۶ھ)، ۸: ۳۸۹۵۔

۱۸- دیکھیے: ابن عبد البر، **جامع بيان العلم و فضله** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۳۹۸ھ)، ۲: ۱۱۵؛ ابن عبد البر، **الاستذكار**، تحقیق: سالم محمد عطا و محمد علی معوض (بیروت: دار الكتب العلمية، ۲۰۰۰ء)، ۵: ۳۲۹۔

سے یہی مراد ہے۔)

امام الحرمینؒ [۱۹] رقم طراز ہیں: "ظنی مسائل میں عوام الناس پر طرق الادلہ کو الگ الگ جانچنا واجب نہیں ہے؛ کیوں کہ مجتہدین کے اوصاف اپنائے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا اور اگر تمام لوگوں کو اس بات کا مکلف کر دیا جائے کہ وہ اجتہاد کریں تو اسباب معاش ختم ہو کر رہ جائیں اور تمام امور میں فساد پیدا ہو جائے۔"[۲۰]

دوسرا مذہب: تقلید مطلقاً حرام ہے اور اجتہاد واجب ہے

بغداد کے بعض معتزلہ کے ہاں تقلید مطلقاً حرام ہے اور عامی پر بھی اجتہاد واجب ہے، البتہ اہل علم کی طرف اس لیے رجوع کیا جائے گا تاکہ ان سے شرعی احکام کے دلائل کا پتا چل سکے۔ ابو الحسین بصری کا کہنا ہے کہ " ہمارے بغداد کے علمانے شریعت کی فروعات میں عامی آدمی کو عالم کی تقلید سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ جب تک دلیل واضح نہ ہو جائے تب تک کسی عالم کے قول کو لینا جائز نہیں۔"[۲۱]

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ[۲۲] نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے اور مطلقاً تقلید کو حرام قرار دیا ہے اور خصوصاً معاصر علما کی تقلید تو بالکل جائز نہیں؛ کیوں کہ کسی کی کوئی رائے حتمی نہیں ہوتی بلکہ وہ کسی بھی وقت تبدیل ہو سکتی ہے اور وہ کہتے ہیں: "والمقلد المجتهد لو أصاب الحق فهو آثم"[۲۳] (مقلد حق کو حاصل کرنے کے باوجود بھی گناہ گار ہو گا۔)

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ مزید رقم طراز ہیں: "قد بينا تحريم الله تعالى للتقليد جملة ولم يخص الله

۱۹- عبد الملک بن عبد اللہ امام الحرمین الجوینی ۴۱۹ھ میں پیدا ہوئے، ان کی مشہور تصانیف میں **البرهان، الكافية في الجدل** ہیں ان کی وفات ۴۷۸ھ میں ہوئی۔ الزرکلی، مرجع سابق، ۴: ۱۶۰۔

۲۰- امام الحرمین الجوینی، **الاجتهاد**، تحقیق: ابو زنید (بیروت: دار القلم، ۱۴۱۸ھ)، ۱۲۷۔

۲۱- ابو الحسین البصری، **المعتمد في أصول الفقه**، تقدیم: خلیل المیس (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۰۳ھ)، ۲: ۳۶۰-۳۶۱؛ ابو الحسین البصری، **شرح العمدة**، تحقیق: ابو زنید (قاہرہ: دار المطبعة السليفة، ۱۴۱۰ھ)، ۲: ۳۰۳۔

۲۲- علی بن احمد ابو محمد اندلس کے مشہور عالم اور فقیہ ہیں۔ ابن حزم کے نام سے معروف ہیں، ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے ظاہری مذہب کی پیروی کرنے والے ہیں، ان کی مشہور تصانیف میں **المحلیٰ** ہے۔ ۴۵۶ھ میں فوت ہوئے۔ الزرکلی، مرجع سابق، ۴: ۲۵۴۔

۲۳- ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، **الإحكام في أصول الأحكام** (مصر: دار الحديث، ۱۴۰۴ھ) ٦: ۱٦۵۔

تعالى بذلك عاميا من عالم ولا عالما من عامي وخطاب الله تعالى متوجه إلى كل أحد فالتقليد حرام على العبد."[۲۴] (یقیناً ہم نے بیان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقلید کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ اس حوالے سے نہ عامی کو خاص کیا ہے اور نہ عالم کو، اور اللہ تعالیٰ کا حکم تمام کو مخاطب ہے لہٰذا تقلید حرام ہے۔)

یہاں ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے عامی آدمی پر اجتہاد کرنا لازم قرار دیا ہے، لیکن ساتھ یہ بات جاننا بھی ضروری ہے کہ اس اجتہاد سے مراد وہ اصولی اجتہاد نہیں ہے جو ایک مجتہد مختلف ادلہ میں کر کے شرعی حکم کا استنباط کرتا ہے، بلکہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ عامی آدمی عالم سے یہ پوچھے کہ کیا یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے؟ اگر وہ کہے کہ ہاں یہ شارع کا حکم ہے تو اس کی بات کو مان لے ورنہ اس کے فتوے کو لینا حرام ہے۔[۲۵]

اس سے معلوم ہوا کہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی عامی آدمی پر اصولی اجتہاد لازم نہیں ہے، بلکہ ہر ایک پر وسعت کے مطابق اجتہاد کرنا ضروری ہے۔[۲۶]

البتہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس موقف کی بنیاد ان آیات پر رکھی ہے جن میں کافروں کی اپنے آبا و اجداد کی تقلید کرنے کی وجہ سے مذمت کی گئی ہے اور ان نصوص پر اعتماد کیا ہے جن میں بغیر علم کے بات کرنے کی مذمت کی گئی ہے اور تقلید اسی کی ایک قسم ہے۔[۲۷]

تیسرا مذہب: صرف اجتہادی مسائل میں عامی کے لیے تقلید کرنا جائز ہے

ابو علی جبائی[۲۸] کا موقف یہ ہے کہ "أباح للعامي تقليد العالم في مسائل الاجتهاد من الفروع دون ما ليس من مسائل الاجتهاد" (اجتہادی مسائل میں عامی تقلید کر سکتا ہے اس کے علاوہ میں نہیں۔[۲۹] اس کی وجہ یہ ہے کہ اجتہادی مسائل ظنی ہوتے ہیں جن میں اجتہاد کرنا عامی کے لیے مشکل ہے، البتہ

۲۴۔ نفس مصدر، ٦: ١٥١۔

۲۵۔ نفس مصدر۔

۲۶۔ نفس مصدر۔

۲۷۔ نفس مصدر، ٦: ١٢٦۔

۲۸۔ محمد بن عبد الوہاب بن سلام، جو کہ معتزلی امام ہیں، ۲۳۵ھ میں پیدا ہوئے، ان کی مشہور تصانیف میں **الأصول** اور **الاجتہاد** شامل ہیں، ۳۰۳ھ میں فوت ہوئے۔ الزرکلی، مرجع سابق، ٦: ٢٥٦۔

۲۹۔ ابوالحسین، مصدرِ سابق، ۲: ۳٦١؛ ابوالخطاب کلذوانی، **التمهيد**، تحقیق: محمد ابراہیم (مکہ: جامعة أم القرىٰ، ۱۴۰٦ھ)، ۴: ۴۰۲۔

غیر اجتہادی مسائل میں وہ شرعی حکم کی معرفت حاصل کر سکتا ہے، اس لیے ان میں وہ اجتہاد بھی کر سکتا ہے۔

لیکن یہ قول بھی عملاً درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ اجتہادی اور غیر اجتہادی مسائل میں فرق کرنا غور و فکر اور ادلہ کے مراتب کو جاننے کا محتاج ہے جب کہ یہ ادلہ عامی آدمی کے پاس نہیں ہوتیں۔(۳۰)

تیسری بحث: نفس مسئلہ میں فقہا کے فتاویٰ میں تضاد کی صورت میں عامی آدمی کا طرز عمل

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب کوئی آدمی اہل اجتہاد سے کوئی مسئلہ پوچھے اور تمام فقہا اس مسئلے کے حکم کے بارے میں متفق ہوں تو عامی آدمی پر اس حکم کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے اور اس کی مخالفت کرنا حرام ہے، لیکن اگر اس مسئلے کے حکم میں فقہا کا اختلاف ہو جائے تو اس وقت سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں ایک عامی آدمی کیا کرے؟ کس قول پر عمل کرے؟ تو اس کے بارے میں فقہا کے کئی ایک اقوال ہیں(۳۱) جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

پہلا قول: آسان ترین حکم کو اپنانا

بعض حنبلی اور شافعی فقہا اور عبدالجبار معتزلی کے ہاں ایسی صورت میں عامی آدمی اس حکم کو اپنائے گا جس میں آسانی اور تخفیف پائی جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿**يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ**﴾(۳۲) (اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمھارے ساتھ نرمی کا ہے سختی کا نہیں۔) اسی طرح حدیث میں بھی ہے کہ ”مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا،“(۳۳) (آپ ﷺ کو جب بھی دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا ہے تو آپ ﷺ نے ان میں آسان ترین چیز کو اختیار

---

۳۰ ابوالحسین، مصدرِ سابق، ۲: ۳۶۱۔

۳۱ دیکھیے: ابن حزم، مصدرِ سابق، ۶: ۱۵۹؛ الزرکشی، مصدرِ سابق، ۶: ۳۱۲-۳۱۴؛ النووی، **المجموع في شرح المهذب**(جدہ: مكتبة الإرشاد، س ن)، ۱: ۹۴؛ إصدار وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية الكويتية، **الموسوعه الفقهية الكويتية**(کویت: مطبعة المقهوى الأولى، ۱۴۳۱ھ)، ۲: ۲۹۹-۳۰۰۔

۳۲۔ القرآن، ۲: ۱۸۵۔ مقالے میں ترجمۂ قرآن کے لیے عموماً مولانا محمد جوناگڑھی کی تفسیر **احسن البیان** پر اعتماد کیا گیا ہے۔

۳۳۔ مسلم بن حجاج نیشاپوری، **صحیح مسلم**، تحقیق: محمد فواد عبدالباقی، كتاب الفضائل، باب مباعدة ﷺ للآثام واختياره من المباح أسهله (بیروت: دار إحياء التراث، س ن)، ۲۳۲۷۔

کیا جب تک کہ اس کو اپنانے میں گناہ نہ ہو۔) اور ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "فنعم دين الله كله يسر"[۳۴] (اللہ تعالیٰ نے ہم پر جو چیز لازم قرار دی ہے وہ آسان ہی ہے۔)

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت آسانی پر مبنی ہے لیکن یہ بات محلِ نظر ہے کہ شریعت کے احکامات جانے بغیر تعارض کے وقت "آسانی" کی بنیاد پر ترجیح نہیں دی جاسکتی اور نہ آسان ترین معاملہ ہمیشہ راجح ہی ہوتا ہے، بلکہ ترجیح کا معاملہ دلائل کی مجموعی حیثیت پر مبنی ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ شرعی حکم شرعی مصلحت کے ساتھ مرتبط ہوتا ہے، اور یہ مصلحت کبھی آسان معاملے میں پائی جاتی ہے اور کبھی سخت ترین معاملے میں پائی جاتی ہے لہذا مطلقا آسان ترین حکم کو اپنانا یا مطلقا سخت ترین حکم کو اپنانا درست نہیں۔[۳۵]

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ[۳۶] اس بارے میں رقم طراز ہیں: "الحنيفية السمحة إنما أتى فيها السماح مقيدا بما هو جار على أصولها وليس تتبع الرخص ولا اختيار الأقوال بالتشهي بثابت من أصولها."[۳۷] (نرم شریعت میں نرمی اس کے اصولوں ہی کے مطابق آتی ہے۔ رخصتوں کی تلاش اور خواہش سے اصولوں کا اختیار کرنا شریعت کے اصولوں میں سے نہیں ہے۔)

دوسرا قول: سخت ترین حکم کو اپنانا

دوسرے قول کے مطابق سخت ترین حکم پر عامی آدمی عمل کرے گا[۳۸] اور یہی ایک رائے شافعیہ کے

۳۴- ابن حزم، مصدر سابق، ۵: ۵۸۹۔

۳۵- دیکھیے: ابوالحسین، مصدر سابق، ۲: ۲۳۱۔

۳۶- ابو محمد القاسم بن فیرۃ بن احمد الشاطبی ۵۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۹۰ھ میں فوت ہوئے، ان کی مشہور تصانیف میں **الشاطبية** اور **الموافقات** ہیں۔ الزرکلی، مرجع سابق، ۵: ۱۸۰۔

۳۷- دیکھیے: ابواسحاق ابراہیم الشاطبی، **الموافقات في أصول الفقه** (بیروت: دار المعرفة، ۱۴۱۵ھ)، ۴: ۱۴۵-۱۴۹۔

۳۸- سلیمان بن عبد القوی الطوفی، **شرح مختصر الروضة**، تحقیق: عبداللہ بن عبد المحسن (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۹۸۷ء)، ۳: ۶۷۲؛ محمد بن علی الشوکانی، **إرشاد الفحول**، تحقیق: احمد عزو عنایہ (دمشق: دار الکتاب العربي، ۱۴۱۹ھ)، ۲: ۲۷۱؛ لیکن اس قول کی نسبت تمام اہل ظواہر کی طرف کرنا قرین صواب نہیں؛ اس لیے کہ ابن حزمؒ نے خود اس قول کو باطل قرار دیا ہے۔ دیکھیے: ابنِ حزم، **الإحكام**، ۶: ۳۰۴، ۸: ۵۸۹۔

ہاں پائی جاتی ہے۔[۳۹] اس قول کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا﴾[۴۰] (یقیناً ہم آپ ﷺ پر قول ثقیل نازل کریں گے۔) اس آیت میں ثقل کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے شرعی احکام پر عمل کرنے کا ثقل مراد لیا ہے اور بعض نے اس سے وحی کا ثقل مراد ہے اور بعض نے یہ دونوں مراد لیے ہیں۔[۴۱]

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ[۴۲] اس بارے میں کہتے ہیں: "أن كلًّا من الأخذ بالأشد، والأخذ بالأخف متعارض مع الآخر فيتساقطان."[۴۳] (شدید ترین قول کے مطابق عمل کرنا یا آسان ترین کے مطابق عمل کرنا ایک دوسرے کے متعارض ہیں، لہٰذا دونوں ہی ساقط ہیں۔)

امام جوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وهذا تحكم من هذا القائل. فإن الثقل ليس علامة الصحة فرب ثقيل باطل ورب سمح صحيح."[۴۴] (یہ قائل کی طرف سے تحکم ہے؛ کیوں کہ کسی حکم کا ثقیل ہونا اس کے صحیح ہونے کی علامت نہیں؛ چناں چہ بہت سے ثقیل کام باطل ہوتے ہیں اور بہت سے نرم کام صحیح ہوتے ہیں۔)

کسی حکم کا ثقیل ہونا اس بات کی علامت نہیں کہ وہ راجح اور صحیح ہو، بلکہ شریعت میں کئی ایسے کام ہیں جن

۳۹- علاء الدین ابو الحسن المرداوی، **التحبير شرح التحرير**، تحقیق: عبدالرحمن جبرین و عوض قرنیو احمد سراح (ریاض: مکتبة الرشد، ۲۰۰۰ء)، ۸: ۴۰۹۹۔

۴۰- القرآن، ۷۳: ۵۔

۴۱- دیکھیے: ابوالفداء اسماعیل بن عمر ابن کثیر، **تفسیر ابن کثیر**، تحقیق: محمود حسن، (بیروت: دار الفکر، طبع ۱۴۱۴ھ)، ۸: ۲۵۱۔

۴۲- ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن احمد، المقدسی حنبلی فقہ کے مشہور فقیہ ہیں، ان کی مشہور تصانیف میں **المغني** اور **الكافي** شامل ہیں ۵۴۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۲۰ھ میں فوت ہوئے۔ الزرکلی، مرجع سابق، ۵: ۳۲۶۔

۴۳- ابن قدامہ، **روضة الناظر**، ۲: ۱۰۳۶۔

۴۴- دیکھیے: امام الحرمین عبد الملک الجوینی، **التلخيص**، تحقیق: عبداللہ جولم النبالی و بشیر احمد العمری (بیروت: دار البشائر الإسلامية، س ن)، ۳: ۴۶۸۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ یہاں متقدمین فقہا کی آرا کو ایک ترتیب سے بیان کیا جا رہا ہے۔ پہلے قول کے مد مقابل یہی دوسرا قول ہے؛ اسی لیے یہ یہاں بیان کیا گیا ہے اور یہ دوسرا قول مرجوح موقف ہے۔

میں ثقیل کام سے روکا گیا ہے اور آسان ترین کام کا حکم دیا گیا ہے) جیسا کہ حائضہ عورت کو روزوں کی قضا کا حکم دیا ہے نمازوں کی قضا کا حکم نہیں دیا گیا۔ لہذا کئی ثقیل حکم باطل ہوتے ہیں اور کئی آسان ترین حکم صحیح ہوتے ہیں۔)

تیسرا قول: اکثر کے قول کے مطابق عمل کرنا

ایک مسئلے کے بارے میں جو فیصلہ اکثر فقہا کا ہو گا عامی آدمی اس پر عمل کرے گا۔ یہ موقف وزیر بن ہبیرہ(۴۵) کا ہے جو انھوں نے غیر مجتہدین قضاۃ کے بارے میں کہا ہے۔(۴۶) اسی طرح ابن الصلاح،(۴۷) نووی رحمۃ اللہ علیہ(۴۸) اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "يسأل مفتيًا آخر فيعمل بفتوى من يوافقه" (کسی اور مفتی سے وہ مسئلہ پوچھا جائے گا تو اس کو فیصلہ پہلے دو کے فیصلوں میں سے جس کے ساتھ ملے گا اس پر عمل کیا جائے گا۔)(۴۹)

یہ قول اس لحاظ سے قرین صواب معلوم ہوتا ہے کہ کثرۃ رواۃ کی وجہ سے کسی حکم کو ترجیح دینا اصولیوں کے ہاں ایک معروف موقف ہے؛ کیوں کہ جس قدر تعداد زیادہ ہوگی اس قدر اس میں خطا کا امکان کم ہو گا اور ظنی چیز علما کے تتابع اور کثرۃ روایت سے قطع اور تواتر کے قریب ہو جاتی ہے۔

ابن دقیق بھی اس بارے رقم طراز ہیں کہ کثرتِ رُواۃ، قوی ترین مرجحات میں سے ہے۔(۵۰)

۴۵۔ وزیر بن ہبیرہ مشہور وزرا میں سے ہیں، ۴۹۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۶۰ھ میں فوت ہوئے، ان کی تصانیف میں **المقصد** اور **اختلاف الأئمة العلماء** ہیں۔ الزرکلی، مرجع سابق، ۸: ۱۷۵۔

۴۶۔ آل تیمیہ، **المسودة في أصول الفقه**، تحقیق: محمد محیی الدین عبدالحمید (دمشق: دارالكتاب العربي، س ن)، ۴۸۰-۴۸۲۔

۴۷۔ ابو عمرو ابن المفتی صلاح الدین، جو کہ صلاح الدین کے نام سے مشہور ہیں ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۴۳ھ میں فوت ہوئے، **مقدمة ابن الصلاح** اور **أدب المفتي والمستفتي** ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ الزرکلی، مرجع سابق، ۴: ۲۰۷۔

۴۸۔ امام نووی یحیٰی بن شرف ۶۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۷۶ھ میں فوت ہوئے، بہت کم عمر میں دین کی بہت زیادہ خدمت سر انجام دی، **شرح صحيح مسلم** ان کی مشہور تصنیف ہے۔ الزرکلی، مرجع سابق، ۸: ۱۴۹۔

۴۹۔ ابن الصلاح، **أدب المفتي والمستفتي**، تحقیق: موفق عبدالقادر (قاہرہ: مكتبة العلوم والحكم، ۱۴۰۷ھ)، ۱۶۵؛ ابوزکریا محیی الدین بن شرف النووی، **المجموع شرح المهذب** (بیروت: دار الفكر للطباعہ، س ن)، ۱: ۹۴؛ محمد بن ابی بکر ابن القیم، **إعلام الموقعين عن رب العالمين**، تحقیق: مشہور آل سلیمان (دمام: دارابن الجوزی، ۱۴۳۲ھ)، ۴: ۲۶۴۔

۵۰۔ بدر الدین محمد بن بہادر الزرکشی، **البحر المحيط في اصول الفقه**، تعلیق: محمد محمد تامر (بیروت: دارالكتب العلميه، ۱۴۲۱ھ)، ۶: ۱۵۰-۱۵۱۔

چوتھا موقف: سب سے پہلے مفتی کے قول کے مطابق عمل کیا جائے گا

عامی آدمی اگر ایک مسئلے میں ایک سے زیادہ مفتیان کرام سے پوچھے اور ان کا اختلاف ہو جائے تو سب سے پہلے جس مفتی سے پوچھا گیا ہے اس کے مطابق عامی آدمی عمل کرے گا۔ شافعیہ کے ہاں ایک روایت یہ پائی جاتی ہے، جیسا کہ امام نووی بیان کرتے ہیں: ”من سأل مفتيا ولم تسكن نفسه إلى فتواه هل يلزمه أن يسأل ثانيا وثالثا لتسكن نفسه أم له الاقتصار على جواب الأول والقياس في وجه الثاني.“ (۵۱)

امام جوینی رحمۃ اللہ علیہ نے حلت و حرمت کے دو متضاد فتاویٰ کی صورت میں یہی موقف اپنایا ہے۔ (۵۲)

اس کی دلیل یہ ہے کہ جب عامی آدمی نے سب سے پہلے مفتی سے پوچھا تو اس نے اپنے اوپر اس کا التزام کر لیا ہے لہٰذا اب اس کا موقف اپنانا لازمی ہے، لیکن یہ بات درست نہیں ہے؛ کیوں کہ عامی آدمی پر پہلے فتوے پر عمل کرنا لازم نہیں ہے، کیوں کہ اس کی دلیل ہی نہیں، بلکہ اس کا حق ہے کہ وہ کسی اور سے بھی پوچھے۔ ہاں اگر عامی آدمی نے اس پہلے مفتی کا التزام کر لیا ہے، یا اسے کوئی اور مفتی ملا ہی نہیں تو اس صورت میں اس پر پہلے مفتی کے موقف کو اپنانا لازم ہے۔ (۵۳)

پانچواں موقف: عامی آدمی پر زیادہ علم والے مفتی کی تقلید ضروری ہے

ایک ہی مسئلے کے بارے متضاد فتاویٰ کی صورت میں عامی آدمی پر زیادہ علم والے کی تقلید کرنا ضروری ہے، ہاں اگر علم میں برابر ہوں تو عامی آدمی جسے چاہے اختیار کر سکتا ہے، جیسا کہ یہ شافعیہ کا مذہب ہے۔ (۵۴) اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ علم والے آدمی کی رائے کو اپنانے سے دل کو تسلی مل جاتی ہے۔ (۵۵) اسی طرح جب اندھے آدمی

۵۱۔ الزرکشی، نفس مصدر، ۶: ۳۱۴؛ النووی، مصدر سابق، ۱: ۹۴؛ یحیی بن شرف النووی، ت: زکریا الشاویش، **روضة الطالبين و عمدة المفتين** (بيروت: المكتب الإسلامي، ۱۹۹۱ء)، ۱۱: ۱۰۵۔

۵۲۔ امام الحرمین، ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ الجوینی، **التلخيص في أصول الفقه**، تحقیق: عبد اللہ جولم النبالی، (بيروت: دار البشائر الإسلامية، س ن)، ۳: ۴۶۸۔

۵۳۔ دیکھیے: ابن القیم، مصدر سابق، ۴: ۲۶۴۔

۵۴۔ دیکھیے: ابو المظفر منصور بن محمد السمعانی، **قواطع الأدله**، تحقیق: محمد حسن اسماعیل (بيروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۱۸ھ)، ۲: ۳۶۵؛ ابن الصلاح، **أدب المفتي**، ۱۶۵۔

۵۵۔ ابو الحسین، **المعتمد**، ۲: ۲۶۴۔

پر قبلے کی تعیین مشکل ہو جائے تو اس پر زیادہ علم والے آدمی کی بات ماننا لازم ہو تا ہے، لیکن اس موقف پر اعتراض یہ ہے کہ علم کے مختلف مراتب ہوتے ہیں اس کو کیسے معلوم ہو گا کہ کون زیادہ علم والا ہے، بلکہ بسا اوقات ایسا ہو تا ہے کہ غیر عالم کی شہرت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے عامی آدمی مجتہدین کے مابین یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ کون زیادہ علم والا ہے۔[۵۶] ہاں اس موقف کو اپنانے والوں کا کہنا ہے کہ عامی آدمی پر نفس علم میں بحث و نظر کرنا ضروری نہیں؛ بلکہ وہ ایسے دلائل دیکھے گا جن سے اسے غلبہ ظن حاصل ہو جائے۔[۵۷] جب کہ اندھے آدمی پر قبلے کی تعیین میں زیادہ علم والے کی بات ماننے کے ضروری ہونے کی بنیاد زیادہ علم والے کی بات کو ضروری قرار دینا درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ قبلے کی تعیین کی علامات حسی ہیں جن کا ادراک کیا جا سکتا ہے جس سے مجتہدین کے مابین فرق کیا جا سکتا ہے، جب کہ فتاوی کی علامات معنوی ہیں؛ لہذا مجتہدین کے مابین کوئی بہت بڑا فرق واضح نہیں ہو تا[۵۸]

چھٹا قول: اس مفتی کی بات کو ماننا لازم ہو گا جو اثر پر اعتماد کرتا ہو نہ کہ رائے پر

ایک مسئلے کے بارے متضاد فتاوی کی صورت میں اس مفتی کا فتوی اپنانا ہو گا جو حدیث پر اعتماد کرتا ہے نہ کہ رائے پر۔ امام احمدؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے پوچھا گیا: ”عن الرجل يكون ببلد لا يجد فيه إلا صاحب حديث لا يعرف صحيحه من سقيمه وأصحاب رأي فتنزل به النازلة من يسأل فقال أبي يسأل صاحب الحديث ولا يسأل صاحب الرأي.“ (امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی ایک ایسے مفتی اور عالم کو جانتا ہے جو حدیث پر اعتماد کرتا ہے، لیکن صحیح و ضعیف کی پہچان نہیں کرپاتا اور دوسرا ایسا عالم ہے جو رائے پر اعتماد کرتا ہے تو وہ کس کی بات کو لے؟ تو جواب دیا کہ صاحب الحدیث کی بات کو لے نہ کہ صاحب رائے کی بات کو۔)[۵۹]

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ بھی اس بارے میں رقم طراز ہیں کہ امام احمد کی بات درست ہے؛ اس لیے کہ جس کو صحیح و ضعیف کی تمیز نہیں، لیکن اس کو اس چیز کا شغف ہے کہ اس کی بات حدیث کے مطابق ہو جائے اس کو اطاعت

۵۶۔ ابن قدامہ، روضة الناظر، ۳: ۱۰۲۵۔

۵۷۔ نفس مصدر، ۲: ۱۰۲۶۔

۵۸۔ النووی، مصدر سابق، ۱: ۹۴۔

۵۹۔ ابو داود، سلیمان بن اشعث السجستانی، مسائل الإمام أحمد برواية أبي داود، تحقیق: ابو معاذ طارق بن عوض اللہ (مصر: مکتبة ابن تیمیة، ۱۴۲۰ھ)، ۳: ۱۳۱۲۔

رسول ﷺ کا ثواب ضرور ملے گا، بہ نسبت اس کے جس نے کسی امام کی بات کو اپنے اوپر لازم قرار دیا جو کہ لازم ہی نہیں، تو اسے اطاعت رسول ﷺ کا ثواب نہیں ملے گا۔(۶۰) لیکن یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ اگر ایک عالم اور مفتی اپنی بات کی بنیاد کسی حدیث کی نص پر رکھتا ہے جس کی نہ تو کوئی تخصیص ہو اور نہ وہ منسوخ ہو تو اس کی بات کو بغیر کسی اختلاف کے مقدم کیا جائے گا(۶۱)، لیکن اگر اس نے صرف اجتہاد کیا ہے جیسا کہ عموما فتاوی میں اہل فتاوی کا اختلاف اجتہاد کی وجہ سے ہی ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں صاحب حدیث کا اپنے اجتہاد میں درست ہونا لازم نہیں آتا، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ نصوص، ان کے معانی اور ان کے مقاصد کو ہر وقت مد نظر رکھنے والا درستی کے زیادہ قریب ہوتا ہے اور یہ ویسے بھی ترجیح کے اسباب میں سے ہے۔

ساتواں قول: حقوق اللہ اور حقوق العباد میں فرق کیا جائے گا

حقوق اللہ میں آسان ترین اور حقوق العباد میں مشکل اور ثقیل رائے کو اختیار کیا جائے گا۔(۶۲) اس کی وجہ یہ ہے کہ حقوق اللہ کی بنیاد تیسیر اور مسامحت پر ہے، جب کہ حقوق العباد کی بنیاد تضییق اور احتیاط پر ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ مشکل رائے کو اپنایا جائے۔ اسی طرح اس میں تیسیر اور ثقیل کے قائلین کے دلائل بھی جمع ہو جاتے ہیں۔

آٹھواں قول: عامی آدمی راجح دلیل کو تلاش کرے

اگر عامی آدمی صاحب علم ہے اور اس کی عقل بہت وسیع ہے تو وہ مختلف علما سے اس مسئلے کے دلائل کے بارے میں سوال کرے کہ کون سی رائے کی دلیل زیادہ قوی ہے، تو اپنے علم کے مطابق جو دلیل اسے قوی محسوس ہو اس پر عمل کرے۔ ہاں اگر اس قدر وہ علم والا نہ ہو تو پھر افضل رائے پر عمل کرے، جیسا کہ خطیب بغدادی رقم طراز ہیں: "یأخذ بفتوی أفضلهما عنده في الدین والعلم وأورعهما "(۶۳) (سائل ان دونوں میں سے

۶۰- ابن حزم، **الإحكام**، ۶: ۲۲۶۔

۶۱- کیوں کہ شرعی نصوص (نص قرآن اور حدیث) اصل الاصول ہیں اور سب سے پہلے انھی کی طرف ہی رجوع کیا جائے گا۔ تقی الدین ابو العباس، احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، **مجموع الفتاوی**، تحقیق: عبد الرحمن بن محمد، (مدینہ منورہ: مجمع الملک فهد لطباعة المصحف، ۱۴۱۶ھ)، ۷: ۴۰۔

۶۲- الزرکشی، مصدرِ سابق، ۶: ۳۱۴؛ الشوکانی، مصدر سابق، ۲۷۱۔

۶۳- ابو بکر احمد بن علی خطیب البغدادی، **الفقیه والمتفقه**، تحقیق: عادل بن یوسف (سعودیہ: دار ابن الجوزي، ۱۴۱۷ھ، س ن)، ۲: ۴۳۱-۴۳۲۔

دین اور علم میں افضل اور صاحب تقویٰ ہو، اس کا فتویٰ لے۔) اس کی وجہ یہ ہے کہ تعارض کے وقت ترجیح دینا لازم ہے اور ترجیح دینا مجتہد کا کام ہے، البتہ عامی آدمی ترجیح تو نہیں دے سکتا، لیکن وہ افضل رائے تو معلوم کر سکتا ہے تو وہ اسی پر ہی عمل کرے گا، کیوں کہ وہی اس کے ہاں زیادہ درستی کے لائق ہے۔

نواں قول: اگر دو مختلف اقوال کو جمع کرنا ممکن ہو تو ان کو جمع کیا جائے گا

اگر دونوں مفتی عامی آدمی کے ہاں علم کے اعتبار سے برابر ہوں تو اسے اختیار ہے جس کی رائے وہ اپنا لے یا ان دونوں کے قول پر عمل کرے۔[۶۴] اس میں یہ بات یاد رہے کہ امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ[۶۵] نے نابینا آدمی کے بارے میں یہ بات ذکر کی ہے کہ جب قبلے کی جہت معلوم کرنے میں دو مفتیان کرام کی رائے مختلف ہو جائے تو نابینا آدمی کو اختیار ہے کہ زیادہ علم والے اور باوثوق عالم کی رائے پر عمل کرے یا دونوں نے جو جہت بتائی ہے دونوں پر عمل کرے۔[۶۶] اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ جب ادلہ متعارض ہو جائیں تو ان کو جمع کیا جائے گا، کیوں کہ ترجیح تو ہو نہیں سکتی لہٰذا تمام مجتہدین کے اقوال عامی کے حق میں ایک مرتبے کے ہیں، لہٰذا ان دونوں کی رائے پر عمل کیا جائے گا۔

دسواں قول: عامی آدمی اپنے علم کے مطابق اجتہاد کر کے راجح رائے تلاش کرے گا اور اس پر عمل کرے گا

عامی آدمی ایسی صورت میں اپنے علم کے مطابق اجتہاد کرے گا اور راجح رائے کے مطابق عمل کرے گا جیسا کہ ابن البنا[۶۷] نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے یہ ذکر کیا ہے اور ابن السمعانی نے بھی یہی موقف اختیار کیا

۶۴- الزرکشی، مصدرِ سابق، ۶: ۲۱۴۔

۶۵- ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب جو کہ شافعی ہیں اور **الحاوي الكبير** کے مصنف ہیں، ۹۷۴م میں پیدا ہوئے اور ۱۰۵۸ء میں فوت ہوئے۔ الزرکلی، مرجع سابق، ۴: ۳۲۷۔

۶۶- الماوردی، **الحاوي الكبير** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۱۴ھ)، ۲: ۸۷۔

۶۷- ابو علی حسن بن احمد بن البنا، بغداد کے رہنے والے اور حنبلی فقیہ ہیں، رجال الحدیث میں ان کا شمار ہوتا ہے، ان سے ایک کثیر تعداد میں لوگوں نے استفادہ کیا۔ ۴۷۱ھ میں فوت ہوئے۔ دیکھیے:
https://ar.wikipedia.org/wiki/%D8%A7%D8%A8%D9%86_%D8%A7%D9%84%D8%A8%D9%86%D8%A7%D8%A1_%D8%A7%D9%84%D8%AD%D9%86%D8%A8%D9%84%D9%8A

ہے، (۶۸) اور ابن الصلاح، ابن قیم نے اسے ترجیح دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

فإن اختلف عليه مفتيان فأكثر، فهل يأخذ بأغلظ الأقوال أو بأخفها أو يتخير أو يأخذ بقول الأعلم أو الأورع أويعدل إلى مفت آخر فينظر من يوافق من الأولين فيعمل بالفتوى التي يوقع عليها أويجب عليه أن يتحرى ويبحث عن الراجح بحسبه؛ فيه سبعة مذاهب أرجحها السابع فيعمل كما يعمل عند اختلاف الطريقين أوالطبيبين أوالمشيرين.

(اگر کسی عامی آدمی پر دو مفتیوں کے قول مختلف ہو جائیں تو کیا وہ اس صورت میں سخت قول پر عمل کرے گا یا خفیف پر، یا کسی زیادہ علم والے کی بات پر عمل کرے گا یا کسی متقی عالم کی بات پر عمل کرے گا یا کسی اور مفتی سے پوچھے اور جس کے ساتھ اس کی بات متفق ہو اس پر عمل کرلے یا اس پر اپنی وسعت کے مطابق راجح تلاش کرنا ضروری ہو گا، ان سات آرا میں سے ساتویں رائے زیادہ راجح ہے کہ جس طرح دو مختلف طریقوں، دو ڈاکٹروں یا مشیروں کی باتوں میں راجح کو تلاش کیا جاتا ہے اسی طرح وہ یہاں عمل کرے گا۔)(۶۹)

اور مرداوی رحمۃ اللہ علیہ (۷۰) نے اسی کو حنابلہ کا صحیح قول قرار دیا ہے۔(۷۱)

۱- اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اپنی وسعت کے مطابق)(۷۲)

۲- اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور تحری کرنا اختلاف کے وقت تقویٰ کی علامت ہے، اور عامی آدمی اپنے علم اور حالت کے مطابق تحری کر سکتا ہے اور یہی اس سے مطلوب ہے۔

لیکن یہاں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ قول بھی پہلے اقوال میں شامل ہے کہ ان میں بھی اجتہاد کرنے کا کہا گیا ہے، ہاں البتہ یہ فرق پایا جاتا ہے کہ پہلے اقوال میں اجتہاد اور ترجیح کی ایک جہت معین کی گئی ہے کہ

۶۸- **البحر المحيط** میں اسی طرح مذکور ہے۔ ۶: ۲۱۴؛ البتہ **قواطع الأدلة** میں یہ ہے کہ عامی پر ان مفتیان کرام میں سے زیادہ علم والے اور زیادہ دین دار ہونے میں اجتہاد کرنا ضروری ہے۔ ۲: ۳۶۵۔

۶۹- ابن القیم، **إعلام الموقعين**، ۴: ۲۶۲۔

۷۰- علاء الدین المرداوی ۸۱۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۸۵ھ میں فوت ہوئے، حنبلی فقیہ ہیں، ان کی تصانیف میں **مختصر الفروع** اور **شرح الآداب** شامل ہیں۔ الزرکلی، مرجع سابق، ۴: ۲۹۲۔

۷۱- ابن المفلح، **أصول الفقه**، تحقیق: سدحان (سعودیہ: مكتبة العبيكان، ۱۴۲۰ھ)، ۴: ۱۵۶۶؛ ابن الصلاح، **أدب المفتي**، ۱۶۵؛ ابن القیم، مصدر سابق، ۴: ۲۶۴۔

۷۲- القرآن، ۶۴: ۱۶۔

ایسر، اثقل یا زیادہ علم والے عالم کی تلاش کرے، لیکن اس قول کے مطابق ایسی کوئی جہت متعین نہیں کی جس سے کسی قول کی ترجیح معلوم ہو سکے۔

گیارہواں قول: عامی آدمی اپنے دل سے پوچھ کر فیصلہ کرے

بعض علما کا کہنا ہے کہ عامی آدمی ایسی صورت میں اپنے دل سے پوچھ کر فیصلہ کرے کہ کون سی رائے زیادہ راجح ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ [۷۳] بیان کرتے ہیں کہ اس امت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے اس کو دلوں میں ایسا نور دیا ہے جس سے یہ حق و باطل میں فرق کر سکتے ہیں۔[۷۴]

۱- اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾[۷۵] (اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو تو وہ تمھارے لیے حق و باطل میں فرق کرنے والی دلیل عطا کرے گا)۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہاں حق و باطل میں فرق کرنے والی دلیل عطا کرنے کا کہا ہے، بہ شرطے کہ تم تقویٰ اختیار کرو، اور اس عموم میں عامی آدمی بھی شامل ہے۔

۲- امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ فرقان وہ وسیع علم اور الہام ہے جس کے ذریعے حق و باطل میں فرق کیا جاتا ہے۔[۷۶]

۳- اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی وابصہ بن معبد کو کہنا: "استفت قلبك" [۷۷] (کہ اپنے دل سے استفسار

۷۳- ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری جو کہ صوفیہ کے مشہور امام ہیں، ۳۷۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۶۵ھ میں فوت ہوئے، ان کی مشہور تصانیف میں **الرسالة القشيرية في التصوف** اور **لطائف الإشارات** ہیں۔ الزرکلی، مرجع سابق، ۸: ۷۰۔

۷۴- الزرکشی، مصدر سابق، ۱: ۲۶۱۔

۷۵- القرآن، ۸: ۲۹۔

۷۶- عبد الکریم القشیری، **لطائف الإشارات** (لبنان: دار الكتب العلمية، ۲۰۰۷ء)، ۱: ۶۱۹۔

۷۷- ابو عبد اللہ احمد بن محمد الشیبانی، **مسند الإمام أحمد**، تحقیق: شعیب ارنووط، مسند وابصة بن معبد (مؤسسة الرسالة، ۱۴۲۱ھ)، رقم: ۷۵۳۔ علامہ البانی نے اس حدیث کو اپنی کتاب **صحیح الترغیب والترھیب** میں حسن قرار دیا ہے۔ دیکھیے: **صحيح الترغيب والترهيب** (ریاض: مكتبة المعارف، س ن)، ۲: ۱۵۱۔

کرو) ۔یعنی اپنے دل سے فتویٰ طلب کرو۔ تو اس حدیث میں بھی آپ ﷺ نے ایک مسلمان کو اپنے دل سے پوچھنے کا حکم دیا ہے، اور اس میں عامی بھی شامل ہے۔

لیکن یہاں یہ بات یاد رہے کہ یہاں دل سے فتویٰ پوچھنے کا مطلب اتنا عام نہیں ہے کہ عامی بھی اپنے دل سے پوچھ کر عمل کرے، بلکہ اس سے اہل تقویٰ اور اہل المجاہدہ مراد ہیں، جن کے دل دنیا کی محبت، شہوات، تعریفات، دنیاوی فتنوں اور گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔(۷۸) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں کہتے ہیں: ”وإنما الاعتبار بقلب العالم الموفق المراقب لدقائق الأحوال وهو المحك الذي يمتحن به خفايا الأمور.“ (۷۹) (اس سے مراد وہ علما ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے باریک بین احوال سمجھنے کی توفیق دی ہے اور ان پر پوشیدہ معاملات بھی کھل جاتے ہیں۔) اور امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں کہتے ہیں کہ دل سے پوچھنے کا حکم علت اور حکم کی عملی صورت کے بارے میں ہے اصل حکم کو ثابت کرنے کے بارے میں نہیں ہے؛ کیوں کہ شرعی حکم بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوتا۔(۸۰) اور امام جوینی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جو آدمی اپنے نفس کے پیچھے لگتا ہے وہ حماقت کرتا ہے۔(۸۱)

راجح قول

اگر غور و فکر کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان تمام اقوال کو تین اقوال میں بیان کیا سکتا ہے:

۱۔ عامی آدمی پر اپنی قدرت کے مطابق تحری کرے گا، اجتہاد کرے گا اور مجتہدین کے اقوال میں ترجیح دے گا اور یہی جمہور اصولیوں کا قول ہے۔

۲۔ عامی آدمی کو اختیار حاصل ہے کہ جس رائے پر چاہے عمل کرے۔ اکثر شافعی اور حنبلی علما کا یہی موقف ہے جیسا کہ گزر چکا ہے، لیکن عامی آدمی کو اختیار دے دینا، اسے خواہشات کی پیروی اور رخصتوں کے

۷۸۔ ابو عبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی، **نوادر الأصول في أحاديث الرسول** (بیروت: دارالجیل، س ن)، ۱: ۲۴۰-۲۴۱۔

۷۹۔ محمد بن محمد ابو حامد الغزالی، **إحياء علوم الدين** (بیروت: دار المعرفة، س ن)، ۲: ۱۱۸۔

۸۰۔ جلال الدین ابو اسحاق الشاطبی، **الاعتصام**، تحقیق: مشہور آل سلیمان (عمان: الدار الأثرية، ۱۴۲۸ھ)، ۲: ۱۶۰-۱۶۲۔

۸۱۔ الجوینی، **البرهان**، ۲: ۱۲۵۰۔

پیچھے پڑنے پر ابھار سکتا ہے۔

۳۔ اگر مفتیوں کے متضاد اقوال کو جمع کرنا ممکن ہو تو ان کو جمع کیا جائے گا جیسا کہ ماوردی کا قول گزرا ہے، لیکن یہ قول صرف قبلے کے تعین جیسی صورتوں میں قابل عمل ہے؛ کیوں کہ مفتیوں کے اقوال جب حلت و حرمت میں مختلف ہوں تو ان کو آپس میں جمع نہیں کیا جا سکتا۔

لہٰذا اس صورت میں جمہور فقہا کا موقف ہی راجح ہے کہ عامی آدمی بھی اہل علم کی مدد سے تحری کر کے قوی فتویٰ کو تلاش کرے اور اس رائے پر عمل کرے جو اس کی استطاعت کے مطابق دلائل و قرائن میں غور و فکر کرنے کے بعد درست ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (۸۲) (پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اپنی وسعت کے مطابق) یہاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حسب استطاعت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا ہے اور فقہا کی آرا مختلف ہونے کی صورت میں تحری کرنا اور درست رائے کو تلاش کرنا اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی علامت ہے، جیسا کہ اختلاف کے وقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ (۸۳) (پس اگر تم اختلاف کرو کسی چیز میں تو اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ عمل کے لحاظ سے بہت بہتر اور تعبیر کے لحاظ سے بہت احسن ہے۔) اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (۸۴) (وہ لوگ جو بات کو سنتے ہیں پھر احسن بات پر عمل کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ عقل مند ہیں۔) یہاں احسن بات کی پیروی سے مراد یہی ہے کہ جو قرآن سنت کے زیادہ قریب ہو اس پر عمل کیا جائے۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ، فقہا کی مختلف آرا میں عامی کو کیا کرنا چاہیے، کو بیان کرنے کے بعد رقم طراز ہیں کہ عامی آدمی پر ایسی مختلف آرا میں جدوجہد کرنا اور قرآن و سنت کے قریب ترین رائے کو تلاش کر کے اس پر عمل کرنا واجب ہے جیسا کہ ایک عامی آدمی دو مختلف ڈاکٹروں اور مشیروں کے اختلاف کے وقت مناسب اور زیادہ احسن

۸۲۔ القرآن، ۶۴: ۱۶۔

۸۳۔ القرآن، ۴: ۵۹۔

۸۴۔ القرآن، ۳۹: ۱۸۔

رائے پر عمل کرتا ہے۔) (۸۵)

اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے بیان کرتے ہیں: کہ عامی کو اختیار دینے سے بہتر یہ ہے کہ ان کے لیے فقہا اور علما خود ہی ضابطہ مقرر کر دیں؛ کیوں کہ ان کو اختیار دینے سے جو چیز لازم آتی ہے وہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں وہ خواہشات نفس پر عمل کرنا شروع کر دیں گے، لہذا عامی آدمی کو تقویٰ سے کام لینا چاہیے اور تحری کر کے درست اور احسن رائے پر عمل کرنا چاہیے۔ (۸۶)

اور امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ عامی آدمی کو اختیار دینے کی ممانعت بیان کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

جب مجتہد پر کوئی دو دلیلیں مختلف ہو جائیں تو اس کو تحری اور اجتہاد کے ذریعے راجح رائے پر عمل کرنا ضروری ہے اسی طرح عامی آدمی کو ایک ہی مسئلے میں دو مختلف فتوے مل جائیں تو اسے بھی ایسی صورت میں استطاعت کے مطابق تحری اور اجتہاد کے راجح فتویٰ پر عمل کرنا چاہیے۔ (۸۷)

اسی پر انھوں نے بس نہیں کیا بلکہ مزید بیان کرتے ہیں:

فتعارض الفتويين عليه كتعارض الدليلين على المجتهد، فكما أن المجتهد لا يجوز في حقه اتباع الدليلين معا، ولا اتباع أحدهما من غير اجتهاد ولا ترجيح، كذلك لا يجوز للعامي اتباع المفتيين معا ولا أحدهما من غير اجتهاد ولا ترجيح. (۸۸)

(جیسے مجتہد پر دو دلیلیں مختلف ہو جاتی ہیں اسی طرح عامی آدمی پر دو فتاوی مختلف ہو گئے ہیں، تو جیسے مجتہد کے لیے دونوں دلیلوں پر یا کسی ایک پر بغیر ترجیح کے عمل کرنا جائز نہیں اسی طرح عامی آدمی پر دو مختلف فتاوی پر ایک ہی وقت میں یا کسی ایک پر بغیر دلیل کے عمل کرنا جائز ہے۔)

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: "من قال هو مخير فقد أمره باتباع الهوى وذلك حرام وأخطأ بلا شك وجعل الدين مردودا إلى اختيار الناس يعمل بما شاء." (عامی آدمی کو اختیار دینا خواہشات نفس کی پیروی کے مترادف ہے اور یہ بالکل حرام ہے۔ اسی طرح اس سے یہ بات لازم

۸۵۔ ابن القیم، مصدر سابق، ۴: ۲۷۴۔

۸۶۔ ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، **المستصفیٰ**، تحقیق: محمد بن سلیمان الاشقر (بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۴۱۷ھ) ۴: ۱۵۴-۱۵۶۔

۸۷۔ الشاطبی، **الموافقات**، ۴: ۱۳۰-۱۳۱۔

۸۸۔ نفس مصدر، ۴: ۱۳۳-۱۳۴۔

آتی ہے کہ دین لوگوں کے اختیار کی طرف لوٹتا ہے کہ وہ جس پر چاہیں عمل کریں۔)[۸۹]

نتیجہ بحث

۱- آرا میں اختلاف کا پایا جانا انسانی طبیعت کا فطری تقاضا ہے، تاہم اگر کوئی ایک رائے شرعی ضوابط کے پیرائے میں آجائے تو وہ اس اختلاف کو ختم کرنے والی اور متفقہ رائے قرار پاتی ہے۔

۲- عامی آدمی مجتہد نہیں ہو سکتا، لہٰذا اسے جیسے ہی کوئی مسئلہ پیش آئے تو اسے چاہیے کہ اہل علم کی طرف رجوع کرے، اور جب کسی مسئلے کے حکم پر علما متفق ہو جائیں تو عامی پر اس پر عمل کرنا واجب اور اس کی خلاف ورزی کرنا حرام ہو جاتا ہے۔

۳- عامی آدمی اگر ایک ہی مسئلے کے بارے میں ایک سے زیادہ علما سے شرعی حکم پوچھتا ہے اور ان کی رائے مختلف ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں ایک عامی آدمی کو کیا کرنا چاہیے اس بارے میں متعدد اقوال پائے جاتے ہیں، جن میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام اقوال بنیادی طور پر تین اقوال کی طرف لوٹتے ہیں:

- عامی آدمی اپنی علمی وسعت اور قدرت کے مطابق علما کے مختلف اقوال میں اجتہاد کرتے ہوئے جس عالم یا مفتی کی علمی استعداد، پرہیز گاری اور حال و احوال سے آشنا رہنے والے کے قول کو راجح قرار دے کر عمل کرے اور یہی راجح ہے۔
- عامی آدمی کو ان اقوال میں سے کسی ایک قول پر عمل کرنے کا اختیار ہے۔
- ان علما کے مختلف اقوال کے معانی کو آپس میں جمع کیا جائے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

۸۹- ابن حزم، **الإحكام**، ٦: ۳۱۵-۳۱۶۔

List of sources in Roman Script

- ❖ Abu al-fatah al-ba'lī, *al-Muṭali' 'alā ȧbwāb al-Muqni'*, ed. Muhammad Bashir Adbī, Beruit: al-maktab al-Islami, 1981.
- ❖ Haithmī, Ibn e Ḥajar, *Al- Fatāwā al-Fiqhiyyah- al-Kubrā*, Dār al-Fikr
- ❖ Ibn e al-Qāḍī, *Ṭabaqāt al-Shāfi'iyyah*, ed. Hafiz Abdul Aleem Khan, Beruit: Aālam al- Kutub, 1407 H.
- ❖ Dayāmṭī, Abu Bakar, *Eaānat al-Ṭālbīn 'Alā ḥall e alfāẓ e fatḥ al-mu'īn*, Bruit: Dār al-Fikr.
- ❖ Shahāb al-Dīn Aḥmad, *Fatāwā al- Ramlī*, Bruit: Al-maktbah al-Islamiyah.
- ❖ Ibn e Qayyam, Miftāḥ Dār al-Sa'ādah, Bruit: Dār al- Kutub al-ilmiyyah.
- ❖ Abu al- Ḥusain, *Al-Mu'tamad fī Uṣūl al-fiqh*, ed. Khalil al-Mais, Beruit: Dār al- kutub Al-ilmiyyah, 1403H.
- ❖ Khatīb al-Baghdādī, *al-faqīh wa al-Mutafaqqih*, Bruit: Dār Ibn e Jozī, 1421H.
- ❖ Jaṣṣāṣ, Abu Bakar, *Aḥkām al-Qur`n*, Lebanon: Dār al- kutub Al-ilmiyyah, 1994.
- ❖ Abdul Fidā, Ismā'īl b. Umar, *Tafsīr al- Qur`ān al- Aẓīm*, ed. Sāmī bin Muḥammad, Lebanon: Dār al-Ṭaibah, 1990.
- ❖ Sim'ānī, Abu al-Muẓaffar Manṣūr b. Muḥammad, *Tafsīr al-Qur`ān*, ed. Yāsir b. Ibrāhīm, Ghanīm b. Abbās, Saudia: Dār al-Waṭan, 1997.
- ❖ Zarkashī, Badar al-Dīn Muḥammad b. Bahādar, *Al-Baḥr al-Muḥīṭ fī Uṣūl al- fiqh*, Bruit: Dār al- Kutub al-ilmiyyah, 2000.
- ❖ Ibn e Aābdīn, *Ḥāshiyyah ibn e aābdīn*, Bruit: Dār al- Fikr, 2000-
- ❖ Sajistānī, Abu Dāwūd, Sulaimān b. Ashath, *al-Sunan,* ed. Muḥammad Muḥiy al-Dīn Abdul Ḥamīd, Bruit: Maktbah Athriyyah.
- ❖ Ibn al-Amīr Al-Ḥājj, *al-Taqrīr wa al-Taḥbīr fī ilm al-Uṣūl*, Bruit: Dār al-Fikr 1996.
- ❖ Anṣārī Abdul Aliyy, *Fawātiḥ al-Raḥmūt be sharḥe musallam al-Thabūt*, Bruit: Dār al- Kutub AL-Ilmiyyah, 2002.

- Juwainī, Abdul Malik bin Abdullah, *Al-Burhān fī Uṣūl al-fiqh*, ed. Sayyed Abdul Aẓīm , Bruit: Dār al- Wafā, 1418h
- Aāmdī Alī bin Muḥammad, *al-Aḥkām fī Uṣūl al-Aḥkām*, ed. Sayyed Al-Jamīlī, Bruit: Dār al- Kitāb al-Arbī, 1404h
- Ibn e Qudāmah, Abdullah bin Aḥmad, *Roḍat al- Nāḍir wa Jannat al-Manāẓir*, ed. Abdul Aziz Abdul Reḥman al- Saīd, Riyaḍ: Jāmiʻat al-Imām Muḥammad bin Saūd, 1399h
- Safiyyudīn Hindī, *Nihāyat al- Usūl fī dirāyat al- Uṣūl*, ed. Yousuf wa Suwaiḥ, Maktbah Tijāriyyah 1416h
- Ibn e Abdul Barr, Jāmiʻ Bayān al- ilm wa faḍlihī, ed. Sālam Muḥammad Aʻṭā wa Muḥammad Alī Muaʻwwaẓ, Beruit: Dār al- Kutub al- Ilmiyyah 2000h
- Ibn e Ḥazam Alī bin Muḥammad, *AL- Aḥkām fī Uṣūl al-Aḥkām*, ed. Aḥmad Muḥammad Shākir, Bruit: Dār al-Aāfāq al- Jadīdah.
- Al-Yamānī Ibn e al- Wazīr, *Al-aʻwāṣim wa al-qawāṣim*, Bruit: Al-Risālah, 1412H.
- Baṣrī, Abul Ḥusain, *Sharḥ al-Aʻmad*, Cairo: Maktbah al-Ulūm wa al- Ḥikam, 1410h
- Nawawī, *Al-Majmūʻ Sharḥ al-Muhazzab*, Jeddah: Kaktbah al-Irshād.
- Ibn al-Ṣalaḥ, *Adab al-Muftī wa al-Mustaftī*, ed. Muwaffiqudīn Abdul Qādir, Cairo: Maktbah al-Ulūm wa al- Ḥikam, 1407h
- Shāṭī, Jalāl al-Dīn Abu Isḥāq, *Al-iʻtiṣām*, ed. Mashhūr Aāl e Sulaiman, Jeddah: Al-Durar Al-Athariyyah, 1428h
- Ḥakīm Al- Tirmazī, *Nawādir al-Uṣūl fī maʻrifat e Aḥādith al-Rasūl*, Jeddah: Dār al-Nūr, 1431h
- Ghazālī, Muḥammad bin Muḥammad Abu Hāmid, *I'ḥya'o Ulūm al-dīn*, Bruit: Dār al-Maʻrifah.